اقوال زرّیں

☐ اگر غلطی نہ ہونے پر بھی آپ سے کوئی معافی مانگ لے تو سمجھ لینا کہ وہ آپ سے زندگی بھر رشتہ رکھنا چاہتا ہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

راج بھون اور ممتا حکومت کا ٹکراؤ

تشدد

مغربی بنگال کی سیاست کا ایک کالا سچ بن چکا ہے۔ سیاسی نظریات اور تسلط کی جنگ میں یہ ریاست اب تک اپنے سیکڑوں سپوت گنوا چکی ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈس بیورو کے مطابق مغربی بنگال میں انتخابی تشدد ہر سال اوسط 20 افراد کی جانیں لے لیتا ہے۔ پنچایت انتخابات، میونسپل کارپوریشن کے انتخابات ہوں یا پھر اسمبلی اور پارلیمنٹ کے انتخابات، خون بہائے بغیر یہاں کسی کی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح راج بھون اور ریاستی حکومت کے درمیان تنازع، اقتدار کیلئے کشاکش اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بحران بھی مشرقی ہندوستان کی اس ریاست کا مقدر بنتا جارہا ہے۔ گورنر اور ریاستی حکومت کے مابین جھگڑا اور فساد کی وجہ سے غیرمعمولی انتظامی تعطل، یونیورسٹیوں میں بحران اور کئی دیگر مسائل لا ینحل ہو چکے ہیں۔ لوک سبھا انتخابات 2024 کے دوران اور نتائج آنے کے بعد سے تشدد کے درجنوں واقعات ہو چکے ہیں۔ ہرچند کہ ممتا حکومت انکاری ہے مگر ریاست کی اہم اپوزیشن بھارتیہ جنتا پارٹی کا کہنا ہے کہ اس کے دفاتر توڑے پھوڑے اور نذر آتش کیے جارہے ہیں اور اس کے حامیوں کو دہشت زدہ کرکے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ ان حالات کا جائزہ لینے کیلئے بی جے پی کی مرکزی ٹیم مغربی بنگال کا دورہ کررہی ہے۔

یہ ٹیم اپنے دورہ سے کن نتائج تک پہنچے گی اور کون سی رپورٹ پیش کرے گی یہ تو آنے والے دنوں میں پتہ چلے گا مگر ریاست ان دنوں راج بھون اور ریاستی حکومت کے مابین غیرمعمولی قسم کے تعطل کا مشاہدہ کررہی ہے۔ گورنر سی وی آنند بوس نے ریاستی پولیس کو راج بھون کے احاطے سے نکل جانے کو کہا ہے، لیکن پولیس ابھی بھی ڈیوٹی پر ہے۔ گورنر نے راج بھون کے نارتھ گیٹ پر واقع پولیس چوکی سمیت کولکاتا پولیس کے تمام افسران اور ملازمین کو فوری طور پر احاطے کو خالی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے حکم کے باوجود پولیس پہلے کی طرح راج بھون کے احاطے میں کھڑی ہے۔

یہ تنازع حال ہی میں مغربی بنگال میں انتخابی تشدد کے متاثرین کے راج بھون آنے کے معاملے پر شروع ہوا تھا۔ ان متاثرین کو گورنر نے راج بھون آنے کی تحریری اجازت دی تھی، لیکن راج بھون میں تعینات پولیس نے دفعہ 144 کا حوالہ دیتے ہوئے لوگوں کو آنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا تھا۔ اس پر راج بھون نے پولیس کو گیٹ پر اپنی پوسٹ خالی کرنے کو کہا لیکن وہاں تعینات پولیس اہلکاروں نے اپنے افسران کے حکم کے بغیر ڈیوٹی چھوڑنے سے انکار کردیا۔ گورنر عوام سے ملنے کے لیے پولیس چوکی کے مقام پر عوامی فورم قائم کرنا چاہتے تھے لیکن پولیس کی موجودگی کی وجہ سے وہ کام نہیں ہوسکا۔ گورنر کی ذاتی حفاظت سی آر پی ایف کی طرف سے زیڈ کیٹیگری ہے اور کولکاتا پولیس صرف بیرونی سیکورٹی فراہم کرتی ہے۔ اب اگر کولکاتا پولیس راج بھون سے ہٹ جاتی ہے تو ممکن ہے کہ مرکزی فورسز کے جوانوں کو اس کی حفاظت میں تعینات کیا جائے۔ گورنر کولکاتا پولیس کے رویہ سے اس وقت سے نالاں ہیں جب ڈیڑھ مہینہ قبل راج بھون کی ایک عارضی ملازمہ نے کولکاتا پولیس میں گورنر کے خلاف چھیڑ چھاڑ کی شکایت درج کرائی تھی اور کولکاتا پولیس نے اس معاملے میں جانچ شروع کی تھی اور راج بھون کے کئی ملازمین کے خلاف بھی مقدمہ درج کر کے انہیں پوچھ گچھ کیلئے بلایا تھا۔ اس وقت بھی گورنر نے پولیس کے راج بھون آنے پر پابندی لگادی تھی۔ گورنر کی تازہ ہدایت کو ریاستی حکومت نے اب تک کسی قابل نہیں جانا ہے، آگے اس ہدایت کا کیا حشر ہوگا یہ ایک دو دنوں میں پتہ چل جائے گا، لیکن مغربی بنگال میں گورنر اور ممتا حکومت کا تنازع صرف سی وی آنند بوس تک ہی محدود نہیں ہے۔ گزشتہ دس برسوں سے دیکھا جارہا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب راج بھون اور ریاستی حکومت آمنے سامنے نہ ہوں۔ اس سے قبل بھی اس وقت کے گورنر جگدیپ دھن کھڑ کے ساتھ ممتا حکومت کا تنازع تمام حدوں سے گزر چکا ہے اور اب تو اس کے ختم ہونے کے کوئی آثار بھی نظر نہیں آرہے ہیں۔

ہندوستان جیسے وفاقی جمہوریہ میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان ایک لازمی رشتہ ہے جس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ گورنر کا عہدہ درمیانی کڑی کے طور پر مرکز اور ریاست کے رشتہ کو جوڑتا ہے۔ مگر اکثر یہ دیکھا جارہا ہے کہ گورنر کا یہ آئینی عہدہ مرکز اور ریاست کے رشتہ کو خوشگوار اور مستحکم بنانے کے بجائے مرکزی حکومت کے پولیٹیکل ایجنٹ کی طرح ریاست کی پشت پر کوڑے برساتا رہتا ہے۔ اپوزیشن کی حکمرانی والی ریاستوں میں سیاسی عدم استحکام پیدا کرنا اور حکومت کو محاصرے میں رکھنا عام سی بات ہوگئی ہے۔ مغربی بنگال میں جگدیپ دھن کھڑ سے لے کر سی وی آنند بوس تک تسلسل کے ساتھ جاری یہ تنازع اگر مزید آگے بڑھا تو عین ممکن ہے کہ یہ کھلی دشمنی تک پہنچ کر وفاقی جمہوریت کی جڑوں کو کہیں کھوکھلا نہ کردے۔ اس صورتحال سے بچنے کی ذمہ داری دونوں ہی فریق پر ہے۔ ریاستی حکومت کوئی ایسا موقع نہ دے کہ گورنر کو ریاست میں سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کا موقع ملے اور گورنر کو بھی ریاست کی منتخب حکومت کے مینڈیٹ کا مکمل احترام کرتے ہوئے اپنی آئینی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے تاکہ تصادم اور تعطل کی صورت نہ پیدا ہو۔

edit2sahara@gmail.com

نیٹ کے نتائج سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

عبدالماجد نظامی

روبرو

جب سے نیٹ کے نتائج سامنے آئے ہیں تب سے تعلیم کے تعلق سے کئی طرح کے مسائل پر اس ملک میں بحث چھڑ گئی ہے اور وہ تمام پہلو ان مسائل کے ایسے ہیں جن پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا سیدھا واسطہ ملک کے تعلیمی نظام کی کمی و کوتاہی یا اس کے درخشاں پہلوؤں سے ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے پالیسی سازوں کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہوگی کہ اس کا سیدھا تعلق ہمارے ملک کی نوجوان نسل اور اس کے مستقبل کے پالیسی سازوں سے ہے۔ ان کی ترقی اور عدم ترقی سے ملک کی قسمت کا فیصلہ ہوگا کہ آگے چل کر یہ کیسا ہندوستان ہوگا اور اس کی اخلاقی قدریں کن چیزوں سے طے ہوں گی۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ بنیادی مسئلوں کو حل کرنے میں پوری ایمان داری اور شفافیت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم کا نظام ایسا کیوں تیار نہیں کیا جاتا جس میں سماج کے ہر طبقہ کے بچوں کو یکساں طرز تعلیم سے استفادہ کا موقع مل سکے؟ اگر اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے گا تو اس کے واضح امکانات نظر آتے ہیں کہ کسی ایک خاص میدان کو کریئر کے طور پر انتخاب کرنے کی جو ہوڑ لگی ہوئی ہے، اس میں کمی آئے گی اور ملک کے بچوں کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ ڈاکٹر اور انجینئر بننا ہی صرف چوائس کی فہرست میں اولیت کا درجہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر بے شمار ایسے مواقع موجود ہیں جہاں اچھے مستقبل کی ضمانت مل سکتی ہے۔ اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب ملک میں میڈیسن کی تعلیم کا عام رجحان بڑھ رہا ہے اور چھوٹے چھوٹے گاؤں، قصبوں اور شہروں کے بچے دن رات کی محنت سے مشکل ترین امتحانات میں کامیاب ہونے کا جذبہ اپنے دل میں سمائے ہوئے ہیں اور اس کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھ رہے ہیں تو آخر حکومت کی سطح پر اس سلسلہ میں یہ پالیسی کیوں نہیں بنائی جاتی ہے کہ مزید معیاری سرکاری میڈیکل کالجز اور یونیورسٹیوں کو قائم کرنا سرکار کی اولین ترجیحات میں شامل ہو؟ آخر کار اسی ملک کے ان اولین قائدین نے جن کی آج کی سرکار مذمت کرتی ہے، اگر آزادی کے بعد ہر میدان میں معیاری اداروں کا جال ملک بھر میں نہ پھیلا دیا ہوتا تو جو مقام اور رتبہ علم کے الگ شعبوں میں بالخصوص میڈیکل تعلیم کے میدان میں ہندوستان نے حاصل کیا ہے، وہ قطعاً حاصل نہ کر پاتا۔ اب یہ ذمہ داری آج کی قیادت کے کاندھے پر آتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں مزید بہتر اور عالمی سطح کے ادارے قائم کرے اور جن میدانوں میں ہمیں ماہرین کی ضرورت ہے، ان پر خاص توجہ مرکوز کی جائے اور ایسے معیاری تعلیمی اور تحقیقی ادارے قائم کیے جائیں جو دنیا بھر میں ملک کی نیک نامی کا ذریعہ بن سکیں۔ اسی تناظر میں اس بات پر بھی زور دیا جانا ضروری ہے کہ آخر کیا مسئلہ ہے کہ ہمارا سیاسی طبقہ کبھی بھی اس امر کو اہمیت کے ساتھ نہیں اٹھاتا کہ تعلیم پر ملک کی اجمالی آمدنی کا 6 فیصد خرچ کیا جائے؟ یہ مطالبہ بہت قدیم ہے لیکن اس پر عمل درآمد کی کوئی سنجیدہ کوشش اب تک دیکھنے کو نہیں مل رہی ہے۔ اس کا منفی اثر یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے ملک کے وہ بچے جو ہر حال میں ترقی کی طرف گامزن رہنا چاہتے ہیں اور اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے خوشحالی و ترقی کے ساتھ ساتھ سماج میں اپنا ایک مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ہر قیمت پر اپنے سامنے سب سے مشکل ہدف رکھ کر اس کو حاصل کرنے کے لیے انتھک محنت کرنے سے بھی جی نہیں چراتے۔ لیکن شاید انہیں معلوم نہیں کہ پالیسی سازوں نے ایسا نظام تعلیم تیار کر رکھا ہے جس میں صرف ان کی محنتوں سے ہی سارا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے۔ مواقع کا درجہ اتنا تنگ رکھا گیا ہے کہ چند لوگوں کے داخلہ کے بعد دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اب اس کا فطری نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذاتی جد و جہد سے اس دروازہ میں داخل نہیں ہوسکتا تو پھر اس بند دروازہ کو کھولنے کے لیے دوسرے ہتھکنڈے اختیار کیے جاتے ہیں۔ وہ ہتھکنڈے ایسے ہوتے ہیں جو نہ صرف بد اخلاقی کے زمرہ میں آتے ہیں بلکہ آئندہ نسل کے ممتاز دماغوں کو دکھ اور مایوسی کی گہری دلدل میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ آخر وہ بچے جو اپنی علمی استعداد کی بنیاد پر نہیں بلکہ پیسوں کے بل بوتے پر ناجائز ڈھنگ سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں گے، کیا ان سے کبھی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس ملک کے بیماروں کا اخلاقی بلندی اور پیشہ ورانہ دیانت داری کے ساتھ علاج کر پائیں گے؟ ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ اس کے برعکس ایسے ڈاکٹروں کا جہاں بس چلے گا، وہاں وہ کمزور طبقوں کے اعضاء نکال کر امیروں کے ہاتھ بیچ کر مال و دولت کمانے کا دھندہ چلائیں گے جیسا کہ آئے دن ایسی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ملک کے اس بیمار نظام تعلیم اور طرز امتحان نے ایک بڑا سوال یہ پیدا کر دیا ہے کہ کیا تعلیم کا واحد مقصد ہر حال میں مال و دولت حاصل کرنا رہ گیا ہے؟ کیا ایسی تعلیم سے کبھی کوئی ملک عالمی سطح پر اپنے لیے وہ وقار حاصل کرسکتا ہے جس کی امید آج کی سیاسی قیادت شب و روز یہاں کے عوام کے اندر پیدا کرتی رہتی ہے؟ آخر اس گرتی اور بگڑتی صورت حال کو سدھارنے کی ذمہ داری کون نبھائے گا؟ میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم کی اہمیت نے پرائیویٹ سیکٹر کے ارباب سیم و زر کو یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ تعلیم کے نام پر نئی نئی دکانیں کھول لیں اور صرف ان لوگوں تک تعلیم اور اس سے وابستہ ترقی کے امکانات کو محدود کر دیں جو ڈگریوں کو بھاری قیمت کے بدلے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ کیونکہ سرکار اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتی نظر آتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک عجیب انارکی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے جس کا شکار آئے دن اس ملک کے بچے اور ان کے والدین ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا کیا جانا کسی بھی طرح سے ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔ ان مسائل کی سنگینی کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں جہاں کمیاں نظر آرہی ہیں، ان کو ماہرین کے مشورے سے استفادہ کرتے ہوئے دور کیا جانا چاہیے اور ایسا نظام نافذ کیا جانا چاہیے جس کی وجہ سے اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ امتحانات کے پرچے لیک نہ ہوں اور جو حق دار اور لائق و فائق بچے ہیں ان کی محنت ضائع اور مستقبل داؤ پر نہ لگے۔ یہی اقدام ملک اور بچے دونوں کے لیے مفید ہوگا۔

(مضمون نگار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر ہیں)

editor.nizami@gmail.com

> **آخر وہ بچے جو اپنی علمی استعداد کی بنیاد پر نہیں بلکہ پیسوں کے بل بوتے پر ناجائز ڈھنگ سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کریں گے، کیا ان سے کبھی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس ملک کے بیماروں کا اخلاقی بلندی اور پیشہ ورانہ دیانت داری کے ساتھ علاج کرپائیں گے؟**

بڑھتے گرمی کے دن، بڑھتی پریشانیاں

پنکج چترویدی

تجزیہ

ابھی لوگوں کے جسموں سے ہولی کے رنگ چھوٹے بھی نہیں تھے کہ پورا شمالی ہندوستان شدید گرمی کی زد میں آگیا۔ ویسٹرن ڈسٹربنس کی وجہ سے کچھ مقامات پر بارش بھی ہوئی لیکن درجہ حرارت میں کمی نہیں آئی۔ ملک کے تقریباً 60 فیصد حصے میں 35 سے 45 ڈگری کی گرمی کے قہر کے 100 دن ہوگئے ہیں اور الرٹ جاری کیا گیا ہے کہ آئندہ دو ہفتوں تک موسم ایسا ہی رہے گا۔ ویسے بھی اگر مانسون آ بھی گیا تو بھلے ہی درجہ حرارت میں کمی آئے لیکن اُمس کی وجہ سے پیدا ہونے والے ناخوشگوار احساسات گرمی کی ہی طرح پریشان کرتے رہیں گے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ اس بار گرمی کے عتاب نے نہ تو ہماچل پردیش کی دلکش وادیوں کو بچایا ہے اور نہ ہی اتراکھنڈ کے مشہور سیاحتی مقامات کو۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ گنگا۔ جمنا کے میدانی علاقوں میں لو تیزی سے چل رہی ہے، خاص طور پر مغربی اتر پردیش میں، جو کہ گنگا۔ جمنا دوآبہ کے ساتھ بہت سی چھوٹی اور درمیانی ندیوں کا گھر ہے اور کبھی گھنے جنگلات سے جانا جاتا تھا، بندیل کھنڈ کی طرح شدید گرمی کی زد میں آ رہا ہے۔ یہاں درختوں کی پتیوں میں نمی کے اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والی دہائیوں میں ہرت پردیش کہلانے والا علاقہ بندیل کھنڈ کی طرح خشک سالی، نقل مکانی اور جنگلات کی کٹائی کا شکار ہوسکتا ہے۔

آدھا جون گزر چکا ہے اور اب بھی شملہ اور منالی جیسے مقامات کا درجہ حرارت 30 کے قریب ہے۔ ہمیر پور ضلع میں درجہ حرارت 44.5 ہے تو کانگڑا، چمبا، ناہن، منڈی وغیرہ میں درجہ حرارت 41 سے نیچے آنے کو تیار نہیں ہے۔ محکمہ موسمیات نے رواں ماہ کے آخری ہفتے تک کئی مقامات پر لو کا الرٹ جاری کر چکا ہے۔ اتراکھنڈ کے دارالحکومت دہرہ دون میں شدید گرمی نے ریکارڈ توڑ دیا، 122 سال بعد سب سے زیادہ درجہ حرارت 42.4 ریکارڈ کیا گیا۔ گزشتہ پانچ دنوں سے دون کا درجہ حرارت 41 ڈگری سیلسیس سے اوپر ہے۔ صبح سے ہی سورج آگ اُگل رہا ہے۔ جمعرات کو دون کا کم از کم درجہ حرارت بھی معمول سے 3 ڈگری زیادہ 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ اس کے علاوہ پنت نگر کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے پانچ زیادہ 41.0 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ مکتیشور کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے 7 زیادہ 31.2 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس ریکارڈ کیا گیا۔ ٹہری کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت معمول سے 3 زیادہ 31.6 ڈگری سیلسیس اور کم سے کم 26.0 ڈگری سیلسیس رہا۔ یہ گرمی اب انسانوں کے لیے ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ راجستھان، دہلی، ہریانہ اور پنجاب میں مسلسل چلچلاتی گرمی نے ہوا کا معیار خراب کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ لو لگنے، چکر آنے اور بلڈ پریشر میں اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے جھارکھنڈ، بہار، اتر پردیش جیسی ریاستوں میں 200 سے زیادہ اموات ہوچکی ہیں۔ مسلسل گرمی نے پانی کی طلب میں اضافہ کیا اور بحران بھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گرمی کی وجہ سے پینے کے صاف پانی کی دستیابی میں کمی آئی ہے۔ پلاسٹک کی بوتلوں میں فروخت ہونے والا پانی ہو یا عام لوگوں کا بچایا ہوا پانی، شدید گرمی نے پلاسٹک کی بوتلوں میں ابلے ہوئے پانی کو زہر میں بدل دیا۔ پانی کے درجہ حرارت میں اضافہ تالابوں اور دریاؤں کی صحت کو خراب کر رہا ہے۔ اول تو بخارات میں اضافہ ہو رہا ہے، دوم پانی کے زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے پانی میں نشوونما پانے والے جانور اور پودے مر رہے ہیں۔

شدید گرمی خوراک کی غذائیت کی بھی دشمن ہے۔ شدید گرمی میں گندم کے دانے چھوٹے ہو رہے ہیں اور ان کی غذائیت کی خصوصیات بھی کم ہو رہی ہیں۔ ویسے بھی چلچلاتی گرمی میں پکا ہوا کھانا جلدی سڑ رہا ہے۔ پھل اور سبزیاں جلدی خراب ہو رہی ہیں۔ خاص طور پر وہ پھل جو گرمیوں میں آتے ہیں اور کیمیکل لگا کر پکائے جاتے ہیں، اتنے زیادہ درجہ حرارت میں زہر میں تبدیل ہو رہے ہیں اور انہیں کھانے والوں کے اسپتال کا بل بڑھ رہا ہے۔

اس موسم گرما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ اس میں رات کا درجہ حرارت کم نہیں ہو رہا، چاہے پہاڑ ہو یا میدانی میٹروپولیٹن، گزشتہ دو ماہ سے کم از کم درجہ حرارت اوسط سے پانچ ڈگری تک زیادہ ہی ہے۔ خاص طور پر صبح چار بجے بھی لو کا احساس ہوتا ہے اور اس کا منفی اثر یہ ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی نیند پوری نہیں ہو پا رہی ہے۔ خاص طور پر کچی آبادیوں، نائیلون ایریاز وغیرہ کے قریب رہنے والے محنت کش لوگ سارا دن نیند میں رہتے ہیں اور اس سے نہ صرف ان کی کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہو رہی ہے بلکہ جسم میں کئی عوارض بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایئر کنڈیشنڈ سے وہ اس گرمی کی مار سے محفوظ ہیں، تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ زیادہ دیر تک اے سی والے کمروں میں رہنے سے اعصاب سکڑنے، ذیابیطس اور جوڑوں کے درد کی شکایت تاحیات برداشت کرنی پڑ سکتی ہے۔

مارچ 2024 میں اقوام متحدہ کی فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن (ایف اے او) نے ہندوستان میں ایک لاکھ لوگوں کے درمیان ایک سروے کیا اور رپورٹ میں بتایا ہے کہ گرمی کی وجہ سے غریب خاندانوں کو امیروں کے مقابلے میں پانچ فیصد زیادہ معاشی نقصان ہوگا۔ کیونکہ معاشی طور پر خوشحال لوگ بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کے مطابق اپنے کام کو ڈھال لیتے ہیں جب کہ غریب لوگ ایسا نہیں کر پاتے۔

ہندوستان کے ایک بڑے حصے میں، یہاں تک کہ دور دراز علاقوں میں بھی 100 دنوں سے مسلسل بڑھتا ہوا درجہ حرارت نہ صرف ماحولیاتی بحران ہے، بلکہ سماجی و اقتصادی المیہ، عدم مساوات اور بحران کا عنصر بھی بن رہا ہے۔ یہ گرمی صرف جسم کو متاثر نہیں کر رہی، اس سے انسان کے کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، پانی اور بجلی کی ڈیمانڈ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور پیداواری لاگت بھی بڑھتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ فطرت کی اس بدلتی ہوئی شکل کے سامنے انسانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سمجھنا ہوگا کہ موسم کے بدلتے مزاج کو جان لیوا سطح تک لے جانے والی حرکتیں تو انسان نے ہی کی ہیں۔ پھر یہ بھی جان لیں کہ فطرت کے کسی بھی مسئلے کا حل صرف ہمارے ماضی کے علم میں ہی ہے، کوئی بھی جدید سائنس ایسے مسائل کا حل تلاش نہیں کر سکتی۔ جدید علم کے پاس فوری حل اور نام نہاد خوشی کے ذرائع تو ہیں لیکن ناراض کائنات سے نبرد آزما ہونے میں وہ بے بس ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ انسان بدلتے ہوئے موسم کے مطابق اپنے کام کا وقت، حالات، خوراک، کپڑے وغیرہ میں بدلاؤ کرے۔ چلچلاتی گرمی اور اس کے نتیجے میں چلنے والی لو کی مار سے بچنا ہے تو زیادہ سے زیادہ روایتی درخت لگانے کی ضرورت ہے۔ شہر میں بہنے والے دریا، تالاب، جوہڑ وغیرہ اگر صاف اور مسلسل بہتے رہیں گے تو بڑھتی ہوئی گرمی کو جذب کرنے میں یہ کامیاب ہوں گے۔ خاص طور پر فراموش کر چکے کنوؤں اور باوڑیوں کو دوبارہ سیراب کرنے سے موسمیاتی تبدیلی کے اس المیے سے بہتر طریقے سے نمٹا جا سکتا ہے۔ رہائشی کالونیوں اور دفتری تعمیرات کی ٹیکنالوجی اور میٹیریل میں تبدیلی، پبلک ٹرانسپورٹ کو فروغ دینا، کثیر منزلہ عمارتوں کا ماحول دوست ہونا، توانائی کا تحفظ، شہروں کی طرف نقل مکانی روکنا، آرگینک کاشتکاری سمیت کچھ ایسے اقدامات ہیں جو بہت کم خرچ میں ملک کو بھٹی بننے سے بچا سکتے ہیں۔

pc7001010@gmail.com

> **ہندوستان کے ایک بڑے حصے میں، یہاں تک کہ دور دراز علاقوں میں بھی 100 دنوں سے مسلسل بڑھتا ہوا درجہ حرارت نہ صرف ماحولیاتی بحران ہے، بلکہ سماجی و اقتصادی المیہ، عدم مساوات اور بحران کا عنصر بھی بن رہا ہے۔ یہ گرمی صرف جسم کو متاثر نہیں کر رہی، اس سے انسان کے کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔**

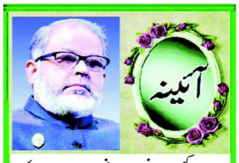

جب کبھی پانی میسر نہیں ہوتا ہم کو
آپ کیوں سمجھے کہ چلّاتے ہیں پانی پانی
ہاں مگر دیکھ کے اس ملک میں پانی کی کمی
ہم تو خود شرم سے ہوجاتے ہیں پانی پانی

اقبال فردوسی

اکبرنگر کی حالت زار اور زعما کی خاموشی

مکرمی!

گزشتہ کئی مہینوں سے یوپی کی راجدھانی لکھنؤ کے ایک علاقہ اکبرنگر میں مسلسل انہدامی کارروائی چل رہی ہے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں مکانات اور سیکڑوں کی تعداد میں مذہبی عمارتیں زمیں بوس کی جارہی ہیں۔ حالانکہ یہ کارروائی سپریم کورٹ کے آرڈر کے بعد عمل میں لائی جارہی ہے مگر پھر بھی وہاں کے لوگ کئی اہم سوالات پوچھ رہے ہیں جس کا کوئی جواب نہیں مل پا رہا ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک شخص نے بتایا کہ ہم یہاں پر تقریباً 1972 سے آباد ہیں اور یہاں انہیں اس وقت گورنر اکبر علی نے بسایا تھا۔ ایک سوال اور ان لوگوں کی جانب سے کیا جارہا ہے کہ جب یہ جگہ غیر قانونی تھی تو پھر یہاں پر اسکول، سڑک کیسے بن گئی اور ہم سے گھر کا ٹیکس، بجلی کا بل کیوں لیا جاتا رہا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اب تک یہ حکومتی کارندے کیوں خاموش تھے اور آج جب یہاں پر لوگ اپنا مکمل آشیانا بنا چکے ہیں تو ہماری محنت کی کمائی کو کیوں مٹی میں ملایا جارہا ہے۔ وہیں کے رہنے والے ایک مذہبی رہنما جو وہاں گزشتہ 25 سالوں سے دینی خدمت انجام دے رہے تھے اور انہوں نے وہاں مسجد اور مدرسہ بھی بنوایا تھا، سب ان کے سامنے ڈھا دیا گیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ گزشتہ دو دہائیوں میں انہوں نے ہندوستان کے چوٹی کے علما و مشائخ کو اپنے یہاں مدعو کیا مگر آج جب ان پر مصیبت کا وقت آیا تو کسی نے بھی ان کی خیریت تک نہیں پوچھی کہ قاری صاحب آپ کس حالت میں ہیں اور آگے کا کیا پلان ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے خون پسینے سے اس چمن کو آباد کیا تھا اور تقریباً ان عمارتوں جن کی لاگت 25 کروڑ سے زیادہ کی تھی، یک لخت ختم ہوگئیں۔ میرا سوال ان مذہبی زعما سے ہے کہ کیا آپ کے ذمہ جلسہ و جلوس اور گاگر و چادر کی ذمہ داری ہے یا کچھ ان زمین سے جڑے ہوئے لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے؟ کیوں کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ جب ایک جگہ مدرسہ یا مسجد ہوتی ہے، اس سے کئی لوگ جڑے ہوئے رہتے ہیں۔ تو کیا ہماری ذمہ داری نہیں بنتی کہ جو لوگ بے سہارا ہوچکے ہیں، ان کے لیے جلد از جلد انتظامات کیے جائیں تاکہ وہ مزید مشکلوں سے دوچار نہ ہوں۔ مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تک کی صورت حال میں کسی مذہبی یا ملی قائد کی سے کوئی مدد کی شروعات نہیں ہوئی اور ایسا لگتا ہے سارے لوگ لکھنؤ کی اتنی بڑی خبر سے بے خبر ہیں۔

غلام رسول نقشبندی -ادری مئو

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

نکاح کو آسان بنائیں

مکرمی!

موجودہ دور میں لڑکیوں کی شادیوں میں رکاوٹ ایک اہم مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ لڑکی کے والدین یہی چاہتے ہیں کہ لڑکا صاحب حیثیت، خوبصورت اور اچھا کاروبار یا اچھی ملازمت میں ہو، پڑھے لکھے، کم تنخواہ پر کام کرنے والے لڑکے ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ان کی اسی خواہش کی وجہ سے ان کی بیٹیوں کی شادی کی عمریں نکل جاتی ہیں۔ والدین صرف اپنی جھوٹی شان و شوکت کی خاطر اپنی لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کر رہے ہیں۔ جوان لڑکی کا گھر میں بیٹھے رہنا اچھی بات نہیں، ارشاد نبویؐ ہے کہ نکاح کو اتنا آسان کرو کہ زنا مشکل ہوجائے۔ ہم اپنی بچیوں کے نکاح کو آسان کرنے کے بجائے مشکل کررہے ہیں اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہم جلد سے جلد اپنی بچیوں کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوں۔ یہ نہ دیکھیں کہ لڑکا خوبصورت اور مالدار ہو، بلکہ یہ دیکھیں کہ لڑکا تعلیم یافتہ، مہذب، شریف اور برسر روزگار ہو۔ اگر لڑکا پڑھا لکھا ہے، یہاں پر کم تنخواہ پر کام کرتا ہے تو اپنی لڑکی کو اس کے نکاح میں دینے سے پیچھے مت ہوں، کیونکہ وہ آگے چل کر اپنا مستقبل شاندار بنا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جلد سے جلد اپنی لڑکیوں کی شادیوں کی فکر میں لگ جائیں اور جتنا ہوسکے اپنی لڑکیوں کو دینی مسائل سے آراستہ کریں، گھروں میں دینی تعلیم کا اہتمام کریں اور پردے میں رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مومن بھائیوں اور بہنوں کو دین کے صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سید شمس الدین مغربی - ریڈ ہلز، حیدرآباد

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس C-2,3,4، سیکٹر-11 نوئیڈا میں چھپوا کر اور 705-706، ساتویں منزل، نورنگ ہاؤس، 21 کے جی مارگ، نئی دہلی سے شائع کیا۔
Printed & Published by **Zia Qadri**, on behalf of **Sahara India Mass Communication** and Printed at **Sahara India Mass Communication Press**, C-2, 3, 4, Sector-11, Noida and published at **705-706, VIIth Floor, Navrang House, 21 K.G. Marg, New Delhi**
Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Md. Fakhre Imam** (fimam16@gmail.com) * ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: **عبدالماجد نظامی** ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: **محمد فخر امام**
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ **Advertisement (National)**: ■ 9891773434, 9899452476 **Email:** adsahara@gmail.com
www.roznamasahara.com 0120-2598274 :سرکولیشن، **0120-2444755,2598419** :ٹیلی فون نمبر نوئیڈا آفس، 011-23352369, 23352368 :ٹیلی فون نمبر دہلی دفتر
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار ——— R.N.I. No.71627/99 **Roznama Rashtriya Sahara** (New Delhi) Regd.: UP/BR/GBD-208/2024-2026 ——— شمارہ نمبر: **8933** سال: **25**
روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں